Tauseeq, Volume. 3, Issue. 2
ISSN (P) 2790-9271 (E) 2790-928X
DOI:https://doi.org/10.37605/tauseeq.v3i2.34

Received: 29-10-2022
Accepted: 06-12-2022
Published: 31-12-2022

خواتین کی آپ بیتیوں میں بنیادی تانیثی تصورات

(Basic Feminine Concepts in Women's Urdu Autobiographies)

• سکینہ صدیق
• میمونہ ریاض

Abstract:

In the Sub-continent, Urdu Female writers are playing a vital role for women, status in the society. Their autobiographies reveal many aspects of this journey of women'struggle. To explore this struggle we must read these autobiographies of Urdu female writers. This essay throughs light on feminism movement in subcontinent and the vale of these autobiographies. Over the world. The exploitative behavior of women in Indian society is the religion of the patriarchal system which the feminist movement came into existence to stop. The elements of these two terms are present in your verses which mark the long struggle of women, which indicates the character, feelings and unique personality of a woman and gives a glimpse of the modern women and her problems and challenges faced by them.

Keywords : Feminism, Male dominance, patriarchy, domestic education, Social suffocation

تانیثیت ایک سیاسی اصطلاح ہے۔یہ لاطینی زبان کے لفظ فی مینا سے نکلا ہے جس کے معنی عورت کے ہیں۔شروع میں تانیثیت کا لفظ نسوانی خصوصیات والے افراد کے لیے میڈیکل ٹیسٹ کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔بعد میں اس لفظ کو جنس اور صنف کے مساوی حقوق کے لیے مخصوص کر دیا گیا۔ایک غلطی فہمی کے تحت اس لفظ سے مراد صرف عورت کی شناخت اور اس کے مساوی حقوق لی جاتی رہی،جب کہ یہ تحریک تمام جنس اور صنف کے مساوی حقوق کے لیے جدوجہد کرتی ہے۔حقوق نسواں، آزادی نسواں اور اصلاح نسواں کی تحریکیں اس کی نسبت بہت نچلے درجے کی ہیں اس لیے یہ ایک وسیع اصطلاح ہے۔اس تحریک نے ہر علاقے اور ثقافت میں ایک نیا اور الگ روپ اپنایا۔اس مضمون میں تانیثیت میں سے صرف عورتوں کے حقوق مراد لیے جائیں گئے۔پدرسری نظام مردانہ آمریت کو فروغ دیتا ہے جس میں عورت کی حیثیت انسان کے درجے سے کم ہو کر ایک ملکیتی شے جتنی رہ جاتی ہے یہ نظام جنسی آزادی پر پابندیاں عائد کرتا ہے اس نظام کی جڑیں انڈیا اور پاکستان میں بہت مضبوط ہیں۔ہر دور میں تانیثی تحریک پدرسری نظام کے خلاف آواز اٹھاتی ہے اور عورتوں کو ان کے حقوق دلاتی ہے۔فہمیدہ ریاض کے مطابق تانیثیت سے مراد یہ ہے کہ:

• پی ایچ ڈی اسکالر نمل یونی ورسٹی اسلام آباد
• لیکچرر یونی ورسٹی آف ایجوکیشن فیصل آباد

"عورت کے مکمل وجود کو تسلیم کیا جائے اور اس کے کسی پہلو کو
کچل کر نابود کرنے کی کوشش نہ کی جائے"(1)

تانیثی تحریک میں عورت کی ذات اس کی سیاسی شناخت اوراس کے کردار کو اہمیت دی گئی۔ اکثر نسائیت اور تانیثیت کو ایک ہی معنوں میں لیا جاتا ہے جبکہ ان دونوں میں بہت فرق ہے۔ یہ دونوں مختلف اصطلاحات ہیں۔ نسائیت کا تعلق حسائیت سے ہے اور تانیثیت ایک تحریک ہے۔ خواتین کی لکھی ہوئی تمام تحریریں نسائی ادب کا حصہ ہیں مگر تانیثی ادب کا تانیثی فکر اور سوچ کا ترجمان ہونا ضروری ہے۔ اس نسائی حسیت کا تعلق عورت کے جذبات، خیالات اوراحساسات سے ہے جن کو مرد بیان کرنے سے عاری ہیں اور ہمیشہ عورت کے جذبات کو مردوں نے ہی مختلف انداز میں بیان کیا ہے اس کے خیالات کو ہمیشہ معاشرتی تناظر میں ہی پرکھا گیا۔ عورت کی ذات کو پدرانہ نظام کے تحت کئی تہوں میں چھپا دیا جاتا ہے۔ نسائیت کے بارے میں ڈاکٹر آمنہ تحسین لکھتی ہیں:

"نسائیت ایک باطنی احساس کا نام ہے جو خالص عورت کے نقطہ ء
نظر اور طرز فکر کی دین ہے۔ اس حسیت کا تعلق عورت کے اپنے
وجود سے جڑے جذبات اور احساسات سے ہوتا ہے۔ ان مخصوص
احساسات، جذبات کا اظہار بھی ایک عورت ہی بہتر طور پر کر سکتی
ہے"(2)

نسائیت نہ تو تحریک ہے نہ رجحان اور رویہ بلکہ اس کا تعلق خواتین کی حسیت، سوچ اور محسوس کیے گئے جذبات سے ہے کہ وہ دنیا اور معاشرے کو کس نظر سے دیکھتی ہیں۔ تانیثی اور نسائی اصطلاحات کا فرق ڈاکٹر ترنم ریاض بیان کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

"کہ وہ تجربات، خیالات اور احساسات جو خواتین کی جسمانی
ساخت گھریلو ماحول اور مخصوص پرورش کا نتیجہ ہیں نسائیت کے
زمرے میں خیال کیے جاتے ہیں"(3)

تانیثیت حیاتیاتی جبر کو رد کرتی ہے اور سماج کی طرف سے عائدہ کردہ مروجہ تعریفوں کو ماننے سے انکار کرتی ہے۔ تانیثی فکر کا رجحان تمام اصناف ادب میں ہو سکتا ہے جن میں ایک دل چسپ صنف آپ بیتی بھی ہے۔ جس کا زیادہ رجحان رومانوی تحریک کے بعد ہوا جس نے ادیب کی غیر معمولی شخصیت کو جاننے کا تجسس پیدا کیا۔ جینا ایک فن ہے اور آپ بیتی ایک فن لطیف۔ اس کو لکھنے کے لیے سچائی، ریاض اور کھرے پن کی ضرورت ہوتی ہے۔ آپ بیتی میں مصنف اپنی زندگی کے حالات وواقعات کو سچائی سے ترتیب دیتا ہے اور اپنی داستان اپنے ہاتھوں سے رقم کرتا ہے۔ آپ بیتی لکھنے والا اپنی نسل سے نہیں بلکہ آنے والی نسلوں سے مخاطب ہوتا ہے۔ انیسویں صدی کے آخر میں توزک کا آغاز ہوا مگر ہم توزک کو تاریخ نویسی لکھتے ہیں۔ آپ بیتی میں مرکزی کردار مصنف کی ذات ہوتی ہے۔ آپ بیتی لکھ کر بھی خواتین اپنے شعور ذات کا اظہار کرتی ہیں۔ خواتین نے بھی آپ بیتی کا آغاز مردوں کے ساتھ ہی کیا۔ 1885ء میں ہی جعفر تھانوی کی آپ بیتی "کالا پانی" اور

شہر بانو بیگم کی "بیتی کہانی "منظر عام پر آئی مگر خواتین کی آپ بیتیاں مردوں کے مقابلے میں بہت کم ہیں مردوں کے لیے جو باتیں مرچ مصالحہ ہیں عورتوں کی زندگی ان ہی باتوں سے تباہ برباد ہو جاتی ہے، ان کو اپنی عزت وعصمت کی حفاظت کے لیے جان کی بازی بھی لگانی پڑتی ہے۔ ہمارے معاشرے میں دوہرا تضاد ہے جس کے تحت عزت صرف عورت کی ہوتی ہے مرد کی نہیں۔ شہر بانو بیگم ایک نواب باپ کی بیٹی اور دوسرے نواب کی بہو صرف پانچ سال کی عمر میں بنی۔ اس عمر میں بچے کھیل کود میں مصروف ہوتے ہیں اور یہاں گھریلو ذمہ داریاں عائد کی گئی ہیں وہ اتنی دولت اور عیاشی ہونے کے باوجود اپنی قسمت پر نالاں تھی۔ شوہر عیاش تھا باپ کو پھانسی کی سزا ملی بیٹے نے باپ کی دولت عیش وعشرت میں اڑ دی۔ بیوی ٹکے ٹکے کی محتاج ہو گئی۔ پانچ بچوں کی ماں بنی مگر کوئی بھی بچ نہ پایا۔ زاہدہ حنا نے شہر بانو بیگم اور برصغیر کی دوسری خواتین کی کہانیوں کو ادھ موئی عورتوں کی کہانیاں کہا ہے جو ساری عمر بچوں کی پرورش، شوہر اور سسرالیوں کو خوش کرنے میں گزر دیتی ہیں ۔ شہر بانو نے ایک انگریز خاتون مس فلیچر کی فرمائش پر یہ آپ بیتی لکھی۔ وہ لکھتی ہیں:

> "بوا مس فلیچر میری کہانی پڑھ کر تم کیا نفع پاؤ گی، رنج وغم کھاؤ گی ، اپنا جی دکھاؤ گی اور کچھ حظ نہ اٹھاؤ گی۔ اگر ضد ہی کرتی ہو تو ایلو میں اپنی سرگذشت ابتدا سے انتہاء تک لکھے دیتی ہوں۔ ذرا خیال سے پڑھنا، گھبرا نہ جانا"(4)

اس کے بعد توزک کا چلن عام ہوا 1901ء میں بیگم سلطان جہان نے "تزک سلطانی "لکھی۔ سلطان جہان بیگم کا تعلق برطانوی برصغیر کی دوسری بڑی ریاست بھوپال سے تھا جہاں پر خواتین کا پلہ بھاری تھا۔ یہاں پر یکے بعد دیگرے چار خواتین نے تقریباً سو سال سے زائد عرصے تک حکومت کی۔ ان میں سے تین کا ادب سے گہرا تعلق تھا۔ بیگم سلطان جہاں بہت علم دوست تھیں وہ علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کی وائس چانسلر بھی رہیں۔ انھوں نے خواتین کی بہبود کے لیے بہت سارے کام کیے۔ اس کے بعد بیگم شائستہ اکرام اللہ کی آپ بیتی "پردے سے پارلیمنٹ تک " تھی جس نے والدین کے گھر پردے کی پابندیاں برداشت کیں اور شوہر کے تعاون سے لندن میں پہلی پی۔ ایچ۔ڈی ڈاکٹر کہوائیں۔ اعلی تعلیم حاصل کرنے کی وجہ سے وہ پاکستان کی دستار ساز اسمبلی کی رکن منتخب ہوئیں۔ بیگم محمد پاشا کی آپ بیتی "ہماری زندگی "بیگم انیس قدوائی کی " آزادی کی چھاؤں "منظر عام پر آئیں۔ قرۃ العین حیدر کی آپ بیتی "کار جہاں دراز " تین جلدوں پر مشتمل ہے جس میں اصلاح نسواں کی پوری تاریخ مستند حوالوں کے ساتھ لکھی گئی ہے۔ قرۃ العین کے والدین کا تعلق تحریک نسواں سے تھا وہ عورت کو باشعور اور مضبوط شخصیت کا مالک دیکھنا چاہتیں تھیں۔ اس کے بعد آنے والی چار آپ بیتیوں کو نوشاد عالم نے باغی خواتین کی آپ بیتیاں کہا جن میں عصمت چغتائی کی "کاغذی ہے پیراہن "، ادا جعفری کی "جو رہی سو بے خبری رہی "نفیس بانو شمع کی "جنت سے نکالی ہوئی حوا "اور کشور ناہید کی "بری عورت کی کتھا "شامل ہیں۔ عصمت چغتائی نے گھریلو علمی تعلیم اور فرسودہ رسم ورواج سے بغاوت کی۔ وہ لکھتی ہیں:

> "یہ نسوانیت مجھے ڈھونگ لگتی ہے۔ مصلحت مجھے جھوٹ معلوم ہوتی تھی۔ صبر، بزدلی، شکر، مکاری میں نے ہاتھ گھما کر کبھی ناک

نہیں پکڑی، یہاں تک کہ بننا سنوارنا، سنگھار کرنا اور بھڑکیلے
کپڑے پہنا بھی مجھے ایسے لگتا ہے جیسے میں اپنے عیوب چھپا کر
دھوکہ دے رہی ہوں۔۔۔(5)

انہوں نے اپنی تخلیقات میں جنس کو موضوع بنایا کیوں کہ عورت کو بھی جنسی شے سمجھا جاتا ہے۔اپنے بھائیوں کے برابر مرتبہ لینے کے لیے عصمت چغتائی نے تعلیم کا سہارا لیا اور خود مختار زندگی گزاری۔اس لیے ان کی آپ بیتی میں نو آبادیاتی نظام کے تحت قائم ہونے والے مشنری اسکول، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی میں شیخ محمد عبداللہ اور بی اماں کے واقعات بڑی خوب صورتی سے لکھے گئے ہیں۔پردے کا تعلق معاشرتی پس منظر سے ہے۔مذہب میں ہاتھ اور منھ کے علاوہ پورے جسم کا پردہ ہے مگر ہمارے معاشرے میں پردہ بھی سماجی اور ثقافتی گھٹن کی شکل اپنائے ہوئے ہے عورت مرد کو بھی جنس زدہ بنادیتی ہے چادر اور چار دیواری کے پس منظر میں گھٹن زدہ معاشرے کی جھلک ادا جعفری کی آپ بیتی "جو رہی سو بے خبری رہی" میں نظر آتی ہے۔ادا جعفری اور اس کے خاندان کی لڑکیوں کی زندگی ٹونک والا پھاٹک سے باہر نہیں جھانک سکتی تھی۔اس زمانے میں خواتین کے خیالات، احساسات اور جذبات کے اظہار پر بھی پابندی تھی۔غیر شادی شدہ عورتیں خود پر کوئی اختیار نہیں رکھتیں تھیں۔اس ماحول میں سانس لینے کے بھی آداب مقرر تھے عورتوں پر چادر اور چاردیواری کی سخت پابندیاں تھیں وہ نامحرم کے بغیر گھر کی چاردیواری سے باہر قدم نہیں رکھ سکتی تھیں۔خاندان کی لڑکیاں غیر برداری کی عورتوں سے بھی پردہ کرتیں تھیں۔وہ پردے کی پابندیوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتی ہیں کہ:

"ایک زمانے میں اس گھر کی لڑکیوں کا بزرگ خواتین کی مصیت
میں ہزار پردوں کے ساتھ بھی گھر کی دہلیز سے باہر قدم رکھنا
ممنوع تھا، کسی رشتے دار کے گھر تک نہیں جاسکتی تھیں"(6)

ان حالات میں نو عمر لڑکیوں کی تفریحی کسی شادی میں شرکت کرنے یا دربار میں جانے سے ہی ممکن تھی۔اس گھٹن زدہ ماحول میں ادا جعفری کی ماموں زاد کزن وفات پاگئی تھی۔مرد عورتوں کے پردہ نہ کرنے کا بہانہ کرکے ان پر تشدد بھی کرتے تھے۔یوں طاقت اور اختیار مرد کے ہاتھوں آجاتا ہے۔ادا جعفری کی ماں نے اپنے بچوں کی تعلیم تربیت کے لیے بہت کوشش کی ادا جعفری کو ماں کی محبت اور شفقت میں ان پابندیوں کا احساس کم ہوا۔نفیس بانو شمع کی آپ بیتی "جنت سے نکالی ہوئی حوا" جاگیر دارانہ نظام کی غلامانہ ذہنیت کی نمائندگی کرتی ہے جس میں فرسودہ روایات کی بھینٹ نو عمر لڑکیوں کو چڑھادیا جاتا ہے لڑکی کی مرضی کے بغیر کم عمر کی شادی کا چلن عام تھا۔ماموں زاد اور ہم عمر دوست فاطمہ سے فلمی گانے سنا کرتی تھی ایک دن گیت سننے کی پاداش میں گھر والوں نے نفیس بانو شمع کی شادی ایک عیاش اور شرابی نوجوان سے طے کردی جس کو بیوی سے کوئی دلچسپی نہیں تھی کیوں کہ اس کے پاس طوائف کا انبار لگا ہوا تھا۔خاندانی اور معاشرتی دباؤ کی وجہ سے نفیس بانو شمع اپنی ٹوٹی بنتی ازدواجی زندگی کو گھسیٹتے ہوئے تین بچوں کی ماں بن جاتی ہے ایسی صورت میں نہ شوہر کو بیوی کی پروا اور نہ بچوں کو ماں سے غرض۔اپنی تنہائی اور دکھوں کا علاج مذہب اور ادب کی صورت میں تلاش کرتی ہے۔وہ اپنے ارد گرد کی عورتوں کے استحصالی کرداروں بھی تلاش کرکے بیان کرتی ہے۔ایسی صورت میں کوئین آف ٹریجڈی مینا

کماری کی روح بھی اپنے اوپر ہونے والے ظلم کو بتانے کے لیے مصنفہ کو بے قرار نظر آتی ہے۔وہ اپنے معاشرے کی عورت پر ہونے والی ثانوی سلوک کو بیان کرتے ہوئے لکھتی ہے کہ

"ہمارے معاشرے میں ہر عورت ناچ رہی ہے کوئی گھنگھرو باندھ
کر، کوئی آرزو کے بغیر کوئی اتم کمار کے سبق پر، کوئی خاوند کے
اشارے پر، کوئی اولاد کی محبت میں ،کوئی ظالم کے خوف
سے، رقص ہی عورت کا مقدر ہے"(7)

کشور ناہید نے اپنی آپ بیتی "بری عورت کی کتھا" میں عورت کے ساتھ ہونے والے استحصالی رویوں کو گھر کی دہلیز سے لے کر حکومتی اور فوجی آمریت کے پردوں میں تلاش کیا ہے۔اس لیے کشور ناہید کے اسلوب بیان کو باغی اسلوب کا نام دیا گیا ہے۔پاکستان میں چادراور چاردیواری کے نام سے ضیاء الحق دور میں عورتوں پر جو ظلم ڈھائے گئے ان کو بڑی ڈھٹائی سے کشور ناہید قلم بند کرتی ہیں۔1971ء کی جنگ میں فوجیوں کے ہاتھوں نو عمر لڑکیوں کی عصمت ریزی کے واقعات قاری کو چونکا دیتے ہیں۔وہ اس معاشرتی ناانصافی کی روداد کو مختلف کرداروں کی شکل میں بیان کرتی ہے جن میں اندھی صفیہ بی بی اور شاہ بانو کیس شامل ہیں ۔وہ اس پدرسری نظام کے خلاف سرپا احتجاج ہے جس میں بڑے عہدے اور حکومتی ادارے ہمیشہ مردوں کے حصے میں آتے ہیں۔کیوں کہ ہمارے معاشرے میں عورت کو ناقص العقل سمجھا جاتا ہے ورنہ وہ بھی مرد کی طرح اعلی عہدوں پر نوازی جاتی۔وہ بھی پیغمبر ہوتی یا حکومت کر رہی ہوتی مگر عورت کو کوئی اس قابل سمجھتا ہی نہیں۔وہ اس سماجی جبر کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

"عورت تو ہے کم درجہ۔۔۔۔۔ورنہ عورت خدا نہ ہوتی، پیغمبر ہوتی
، مرد کے برابر ہوتی۔۔۔۔۔اس لیے عورت سربراہ مملکت نہیں
ہو سکتی۔۔۔۔(8)

کشور ناہید کے مطابق وہ ہی عورت مردوں کے لیے قابل قبول اور آئیڈیل تصور کی جاتی ہے جو ان سے کچھ طلب نہ کرے اس لیے بیوی اور طوائف دونوں ہی مرد سے دولت کی طلب گار ہیں۔اس کی پسندیدہ عورت خواب میں آنے والی ہی ہو سکتی ہے۔جو کچھ مانگتی نہیں۔تانیثی تصورات میں مزاحمت کو مرکزی اہمیت حاصل ہے۔عذرا عباس کی آپ بیتی "میرا بچپن" میں عذرا عباس نے پدرسری سوچ کے تحت پروان چڑھنے والی ماں کے رویوں کی مزاحمت کی۔ کبھی صرف بھائیوں کے لیے مزے دار کھانوں پر، کبھی گھر سے باہر نکلنے کی پابندیوں پر۔ان کی والدہ بھائیوں کو دودھ دیتی اور بیٹیوں کو چائے دیتی۔وہ بھائیوں کو ایسے دیکھتی جیسے وہ کوئی بڑا کام کرنے جا رہے ہوں۔ایک دن عذرا عباس کو اپنی ماں کے ثانوی سلوک پر بہت غصہ آیا۔وہ لکھتی ہیں کہ:

"اماں نے جیسے ہی دودھ کے پیالے میرے بھائیوں کے سامنے
رکھے، میں کھڑی ہو گی اور ایک ہی لات سے دونوں کے پیالے
لڑھکا دیے"(9)

اسی مزاحمتی رویے کی جھلک نثار عزیز بٹ کی آپ بیتی "گئے دنوں کا سراغ" میں بھی ملتی ہے جس نے قبائلی رسم ورواج کو ماننے سے انکار کر کے نہ صرف اعلی تعلیم حاصل کی بلکہ قبائلی پردے کی روایت سے انحراف کرتے ہوئے ریڈیو پاکستان میں کام بھی کیا۔ نثار عزیز بٹ نے روایتی طور طریقوں کی پروانہ کرتے ہوئے پسند کی شادی کی۔ سندھی عورت کے مسائل اور فرسودہ رسم ورواج کی نشان دہی عطیہ داؤد نے اپنی آپ بیتی "آئینے کے سامنے" میں کی۔ جس میں ایک عورت اپنی زندگی کا آغاز گاؤں سے کرتی ہے اور وہاں کی عورتوں کی حالت زار کو دیکھتے ہوئے تعلیم اور آگاہی کا راستہ اپنایا اور آنے والی نسلوں کو ایک نئی راہ دکھائی۔ عطیہ داؤد نہ صرف تانیثی فکر کی حامل خاتون ہیں بلکہ انہوں نے خواتین کے لیے عملی طور پر کام بھی کیا۔ اسی طرح انیس ہارون کی آپ بیتی "کب مہکے گی فصل گل" بھی پاکستان میں عورت کی حالت اور پاکستان میں تانیثیت کے آغاز اور ارتقا کی داستان سناتی ہے۔ انیس ہارون فہمیدہ ریاض کی بچپن کی دوست تھی اس لیے ان کی زندگی کے کچھ حالات وواقعات بھی پڑھنے کو ملتے ہیں۔ ش۔ فرخ کی آپ بیتی "جینے کا جرم" اور افضل توصیف کی آپ بیتی "دیکھی تیری دنیا" میں پاکستان میں صحافت کی صورت حال اور خواتین کی بطور صحافی زندگی کا جائزہ لیا گیا ہے۔ صحافت کا پیشہ جرات اور دلیری کا تقاضا کرتا ہے جس میں دن رات کی ڈیوٹی کرنی پڑتی ہے بہت سے لوگ آپ کی جان کے دشمن بن جاتے ہیں۔ دوسری طرف اگر ہندوستان میں خواتین کی آپ بیتیوں کی طرف نظر ڈوری جائے تو وہاں اصلاح نسواں کی تحریک کا آغاز مولانا الطاف حسین حالی سے شروع ہوتا ہے جس کو ان کی نواسی صالحہ عابد حسین آگے بڑھاتی ہیں ان سے تانیثی فکر کو تقویت ملتی ہے اس سلسلے کو جاری رکھنے میں ساجدہ زیدی کی آپ بیتی "نوائے زندگی"، سعیدہ بانو احمد کی آپ بیتی "ڈگر سے ہٹ کر" اور صغرا مہندی کی آپ بیتی "حکایت ہستی" پیش پیش ہیں۔ ان سب خواتین کا تعلق ایک ہی خاندان سے ہے۔ اور ان تینوں نے خواتین کے حقوق کے لیے جدوجہد کی۔ آپ بیتی زندگی کے ایک حصے پر بھی مشتمل ہو سکتی ہے جیسے حمیدہ اختر حسین کی آپ بیتی "ہم سفر" اور بانو قدسیہ کی آپ بیتی "راہ رواں" اپنے شوہر کے بارے میں ہیں جو اس بات کا ثبوت ہیں کہ ہر کامیاب شوہر کے پیچھے ایک عورت کا ہاتھ ہوتا ہے۔ ان آپ بیتیوں میں نسائی حسیت اور تانیثی تصورات دونوں پائے جاتے ہیں۔ ان آپ بیتیوں میں عورت کے سفر حیات اس کو درپیش مسائل اور جدید عورت کا تصور ملتا ہے جس نے اپنے آپ کو منوانے کے لیے کئی صدیوں کا سفر طے کیا۔ نسائی حسیات کے اظہار کے لیے عورتوں کو باشعور ہونا پڑے گا جس کے لیے تانیثی فکر اہم کردار ادا کرتی ہے۔

حوالہ جات

1. فہمیدہ ریاض، فاطمہ حسن، فیمنزم اور ہم، وعدہ کتاب گھر، کراچی، 2007ء، ص32۔
2. ڈاکٹر آمنہ تحسین، سماج اور صنفی تصورات(ادب کے آئینے میں)، ایجوکیشنل پبلشنگ، دہلی، 2019ء، ص115۔
3. ڈاکٹر سید فضل اللہ مکرم، سمت شمارہ نمبر8، اپریل تا جون 2008ء نسائی ادب نمبر، مشمولہ ترنم ریاض، ہمعصر شاعرات کے کلام میں تانیثی رویے، ان لائن ریسرچ، ص27۔

4. شہر بانو، بیتی کہانی، القمر پبلشرز، لاہور، 2006ء، ص47۔
5. عصمت چغتائی، کاغذی ہے پیرہن، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، 2015ء، ص29۔
6. ادا جعفری، جو رہی سو بے خبری رہی، مکتبہ دانیال کراچی، 2013ء، ص53۔
7. نفیس بانو شمع، جنت سے نکالی ہوئی حوا، آبشار پبلی کیشنز جامعہ نگر، نئی دہلی، 1998ء، ص172۔
8. کشور ناہید، بری عورت کی کتھا، سنگ میل پبلشرز، لاہور، 2008ء، ص33۔
9. عذرا عباس، میرا بچپن، ایجوکیشنل پریس، کراچی، 2001ء، ص21۔

References:

1. Fahmidha Raiz, Fatima Hassan, feminism or ham, Wadha Kitab Ghar,karachi,2007,page #32-
2. Dr. Amina Tahseen, Samaj Or Sanfi Tasswarat(Adab Kay Aainay ma)educational publishing Dehli, 2019,page#115-
3. Dr. Syed Fazal Ullah Mukrram,Samt,shmara#8april ta June 2008,Nasai Adab number online research number page #27-
4. Sher Bano, Beti kahani,Alqamar publisher,Lahore,2006,page #47
5. Asmat Chughti,kaghzi hai perahan, Alhamd publication, Lahore, 2006, page #47-
6. Ada Jaffari, Jo rahi so bay khbri Rahi, M.Akram. e.danyal,karachi, 2013,page#53-
7. Nafeesa Bano sham, Jannat say Nekli hoi Hawa, Aabshar publication jamanagr ,Nai Dehli , 1998,page#172-
8. Kashwer Naveed, buri Aurat ki Katha,Sang e mee l,Publisher Lahore,2008,page#33-
9. Azra Abass, Mera Bachpan ,educational press,karachi,2001,page#21